© rasailojaraid.com

قسط ۱

ڈاکٹر احمد خان صاحب - ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

اسلام اور مستشرقین

اعظم گڑھ میں سیمینار کی روئداد

شبلی اکیڈمی جو در حقیقت اس دور میں بوریہ نشینوں اور بے لوث خدمت گذاروں کی کُٹیا ہے اسے دیکھنے کی تمنا گذشتہ تیس سال سے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اچانک اس سال جنوری میں ہندوستان کے علمی حلقوں کی طرف سے خبر آئی کہ یہ علمی ادارہ ۲۱ تا ۲۳ فروری اسلام اور مستشرقین پر ایک سیمینار منعقد کر رہا ہے چنانچہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں اس خبر سے مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دیرینہ خواہش کی تکمیل کی صورت نظر آنے پر مختلف اقدامات سوچے گئے۔ اس ضمن میں دارالمصنفین کے ڈائریکٹر جناب صباح الدین عبدالرحمان سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجے میں ادارہ ہذا کے تقریباً سبھی اہل علم حضرات کو فرداً فرداً جناب صباح الدین صاحب نے کتابت شدہ دعوت نامے ارسال کر دیئے۔ پاکستان میں یہی ایک ادارہ ہے جسے اس سیمینار میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب صباح الدین صاحب نے گذشتہ دو سالوں میں دارالمصنفین کی کتب کی رائلٹی لینے کے سلسلے میں قیام اسلام آباد کے عرصہ میں اس ادارے کے اندر بیشتر وقت گذارا تھا۔ اور تقریباً ہر سکالر سے ذاتی مراسم کے علاوہ اس ادارے کو پاکستان کی شبلی اکیڈمی تصور کرتے تھے۔

اگرچہ وقت بہت تھوڑا تھا تاہم دوستوں کی مہمانی اور جامعہ اسلامیہ کی انتظامیہ کے تعاون سے حکومت کے سبھی متعلقہ اداروں سے اس سیمینار میں شمولیت کی اجازت مل گئی۔ اور اسلام آباد سے سات افراد پر مشتمل ایک وفد جامعہ اسلامیہ کی ایک نئی ویگن میں ۱۸ فروری کی شام کو عازم لاہور ہوا۔ اس وفد میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی۔ ۲۔ سید عبدالقدوس ہاشمی پروفیسر ادارہ۔ ۳۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی سابق ایڈیٹر فکر و نظر۔ ۴۔ جناب محمود احمد غازی ایڈیٹر الدراسات الاسلامیہ ۵۔ جناب محمد طفیل صاحب۔ ۶۔ جناب سید صباح الدین کاکاخیل ممبر اسمبلی نظریاتی کونسل۔ ۷۔ اور یہ ناچیز (احمد خان

© rasailojaraid.com

لائبریرین ادارہ)

راستے میں جناب ہاشمی صاحب کے ادبی و علمی نکات اور بے حد معلوماتی چٹکلے تمام اراکین وفد کو نہ صرف محفوظ کرتے رہے بلکہ سفر کی تکان اور دیگر صعوبتوں کے احساس سے بیگانہ کئے رہے۔ ۱۸ر کی شب لاہور میں قیام کے بعد اگلے روز صبح سویرے جب کہ لاہور میں خنک ہوا چل رہی تھی اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی۔ ہم واہگہ کی جانب روانہ ہوئے اپنے اور بھارت کے کسٹم سے متعلق جملہ ضوابط سے فراغت پانے کے بعد ۱۹ر کی دوپہر کو امرتسر اسٹیشن پر پہنچ چکے تھے وہاں پر بنارس کے لئے بکنگ چونکہ پہلے سے نہیں ہوئی تھی اس لئے کافی دقتوں کے بعد یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا گورو نانک یونیورسٹی امرتسر کے لائبریرین کو ہم نے اپنی آمد کی خبر پہلے دے رکھی تھی۔ چنانچہ وہاں سے اسسٹنٹ لائبریرین مسٹر وجیت سنگھ ہمیں یونیورسٹی لے جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ چونکہ ہماری گاڑی پانچ بجے جانے والی تھی اور وقت بہت تھوڑا تھا لہذا اکثر اراکین نے یونیورسٹی جانے سے معذرت کر دی مگر جناب طفیل صاحب اور مجھے لے جانے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے بسرعت پہلے شبلی اکیڈمی کو اپنی آمد کا تار دیا۔ پھر تیزی سے یونیورسٹی پہنچے۔ جلدی میں کتب خانے کا ایک چکر لگایا۔ اور پونے گھنٹے میں اس وعدے پر واپس اسٹیشن آگئے۔ کہ واپسی پر یونیورسٹی کو تفصیل سے دیکھیں گے۔ اور چونکہ وقت کافی ہوگا۔ اس لئے یونیورسٹی کے اساتذہ لائبریری کے اراکین سے مفصل تعارف ہوگا۔

گاڑی اپنے وقت پر روانہ ہوئی۔ اور جلد ہی رات چھا گئی۔ ساری رات ہلکی کبھی تیز بارش ہوتی رہی اور ہم منزل مقصود کی طرف بڑھتے رہے۔ اگلے روز دوپہر کو لکھنؤ اور اس لائن سے تمام اسٹیشنوں کا گذر ہوا جن میں شیراز ہند جونپور بھی تھا۔ جونپور میں مسلمان اب بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ اس شام ۱/۲ ۷ بجے ہم بنارس پہنچ گئے۔ شبلی اکیڈمی کی طرف سے شبلی کالج کے دو استاد جناب اشتیاق اور جناب مشتاق احمد قریشی صاحبان اسٹیشن پر ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے وہیں کھانا کھایا۔ اتنے میں گاڑیوں میں سامان رکھا جا چکا تھا۔ اور ہم ۹ بجے رات اعظم گڑھ کی طرف روانہ ہوئے۔ رات گیارہ بجے کے درمیان ہم شبلی اکیڈمی پہنچ چکے تھے۔ پھر جلد ہی سو گئے۔ صبح جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب اراکین وفد سے فرداً فرداً تشریف لائے ہیں۔ ایک آدھ گھنٹہ ان سے ملاقات رہی۔ پھر پروگرام معلوم کیا اور ہم ناشتہ وغیرہ کے لئے چلے دارالمصنفین جس جگہ واقع ہے یہ کوئی بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ اگرچہ اعظم گڑھ ضلع کا صدر مقام ہے اس میں کوئی لمبی چوڑی سہولتیں میسر نہیں۔ چنانچہ اکیڈمی کی طرف سے اس بین الاقوامی سیمینار کے مدعوئین کو ٹھہرانے کا انتظام منٹوں میں کیا گیا تھا۔

شبلی کالج کی پشت پر اس کالج کا ایک کھلا میدان ہے۔ یہی جگہ افتتاحی اجلاس، مہمانوں کو ٹھہرانے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طعام گاہ کے طور پر استعمال کی گئی۔ مہمانوں کے لئے نصب کئے گئے خیمے انگریزی کے یو کی شکل میں تھے۔ ان کے درمیان انتظار گاہ اور کھانے کے الگ الگ حصے ٹینٹوں کی صورت میں تھے۔ انتظار گاہ کو بہت اچھے طریقے سے سجایا گیا تھا۔ روشنی کی وافر مقدار پہنچانے کے لئے ہر خیمے کے سامنے فلورنس ٹیوبیں لگائی گئی تھیں۔

افتتاحی اجلاس کا پنڈال خاص طور پر ٹیوب لائٹوں اور دیگر سجاوٹ کے سامان سے مزین تھا۔ سٹیج عام نشست سے اونچا بنایا گیا تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ ہندوستان سے باہر کے تمام سکالر محققین اس پر بیٹھ سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سجاوٹ، لائٹوں اور دیگر انتظام نے اعظم گڑھ جیسے ایک دور افتادہ قصبے کے لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس امر کا ثبوت ہمیں اس صورت میں مل رہا تھا کہ بہت سے مقامی حضرات بلا تفریق مذہب، پیر وجوان، مستورات اور بچے سبھی رات کو یہ منظر دیکھنے کے لئے آرہے تھے۔ اس قسم کا وسیع پیمانے پر انتظام اعظم گڑھ میں کیسے ممکن تھا۔ لہٰذا اس کے لئے لکھنؤ سے خاص انتظام کرایا گیا تھا۔ اس انصرام کو وہاں کے ماحول کی نسبت دیکھا جائے تو بہت عمدہ اور اعظم گڑھ کی تاریخ میں پہلا انتظام تھا۔

یہاں یہ بات مناسب رہے گی کہ آگے بڑھنے سے پہلے دار المصنفین کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے۔

دار المصنفین | ۱۹۱۳ء میں ندوۃ العلماء کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد علامہ شبلی نے اپنے تصنیفی کام کی طرف خصوصی توجہ کرتے ہوئے ۱۹۱۴ء میں سیرت النبیؐ کے عظیم منصوبے کو ملک کے سامنے پیش کیا اس مقصد کے لئے مولانا شبلی نے سب سے پہلے اپنے وسیع باغ کو جو اعظم گڑھ میں واقع تھا اور جس سے متصل چند مکانات بھی تھے اپنے مجوزہ منصوبے کی خاطر وقف کر دیئے۔ ساتھ ہی اس جگہ اپنی اور اپنے اعزہ کی کتب بھی دار المصنفین کے نام منتقل کر دیں۔ ان مراحل کے طے ہو جانے کے بعد چند قواعد ترتیب دیئے۔ اور اپنے تلامذہ کو خطوط لکھے۔ کہ وہ دار المصنفین میں قیام کے لئے تیار ہو جائیں۔ مگر یہ سامان ہو ہی رہا تھا کہ خود مولانا ۱۸؍ نومبر ۱۹۱۴ء کو اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

مولانا کی وفات سے تیسرے دن مولانا حمید الدین فراہی۔ سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی تینوں نے مجلس اخوان الصفا کے نام سے ایک عارضی مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں سیرت النبی کی تکمیل سب سے اولین کام ٹھہرایا گیا۔

یہ تھی دار المصنفین کی ابتداء پھر اس مجلس کا کام، قواعد و ضوابط اور دیگر تالیفی امور سید سلیمان ندوی نے زندگی بھر اس خوش اسلوبی سے نباہے کہ دار المصنفین اور سید سلیمان ایک ہی شمار ہونے لگے۔ ۱۹۵۳ء میں سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد معین احمد ندوی نے یہ بارگراں اپنے سر لیا اور ان کی وفات کے بعد اب اس مقام علم و فضیلت پر سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب متمکن ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالمصنفین کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ ملک میں اعلیٰ مصنفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا۔

۲۔ بلند پایہ کتابوں کی تصنیف و ترجمہ۔

۳۔ علمی، ادبی اور تحقیقی کتب کی طباعت واشاعت۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل الگ الگ صیغے کام کر رہے ہیں۔

۱۔ صیغہ سیرت النبیؐ صیغہ دارالتالیف صیغہ دارالطباعہ صیغہ دارالاشاعت

صیغہ رسالہ معارف صیغہ دارالکتب صیغہ تعمیرات

صد رشعبہ اپنی مقدور بھر سعی و کوشش سے ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک اس اکیڈمی نے کئی اصحاب قلم پیدا کئے ہیں۔ ۱۷۵ کے قریب کتب شائع کر چکے ہیں۔ جو ۵۰۰ ،۷۵ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں

اس اکیڈمی کے قیام سے دو سال بعد ۱۹۱۶ء میں معارف کے نام سے ایک دینی اور علمی ماہنامہ جاری ہوا جو اپنے متنوع مضامین، تحقیقی مواد، مستقل اور ٹھوس آراء اور دینی اہم مسائل کے حامل مضامین کا عمدہ مرقع ثابت ہوا۔ جس نے گذشتہ نصف صدی سے علمی و تحقیقی دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اور اس کی ساکھ و علمی قدر اتنی بلند ہے کہ پاک و ہند بلکہ دنیا بھر میں اس کے قارئین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اردو زبان میں یہی ایک ایسا رسالہ ہے جسے یورپ اور ایشیا میں دیگر علمی رسائل کے روبرو کھڑا ہونے کا شرف حاصل رہا ہے اور ہے۔

پروگرام کے مطابق افتتاحی اجلاس ۱۲ رفروری کی صبح ۹½ بجے ہونا تھا۔ مگر بنارس میں رکے ہوئے کچھ مہمانوں کی آمد میں وقت لگ گیا جس کی وجہ سے یہ اجلاس کچھ دیر سے شروع ہوا۔ مندوبین کی آمد کے بعد اس اجلاس کی صدارت کے لئے قطر کے معروف عالم یوسف القرضاوی، جو فقہ الزکوٰۃ کے علاوہ کئی کتب کے مصنف اور بلند پایہ مفکر بھی ہیں۔ ان کا نام نامی چنا گیا۔ ان کے ساتھ ہندوستان کے جید عالم، مبلغ اور ندوۃ العلماء کے عظیم رہنما مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جگہ لی۔ اور جلسے کی کارروائی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض ندوہ کے ایک ہونہار فرزند سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے سرانجام دئے۔

اللہ کے مقدس کلام سے جلسے کا آغاز ہوا۔ جس کی تلاوت ندوہ کے ایک انڈونیشی طالب علم فہمی زمزم نے کی۔ کلام پاک کے ترجمے کے بعد دنیائے علم و فن کے عظیم و ممتاز علماء جو اس سیمینار میں کسی وجہ سے شمولیت اختیار نہ کر سکے ان کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

طریق کار یوں تھا کہ پیغامات جو اکثر عربی زبان میں تھے۔ پہلے پڑھے جاتے اور پھر ان کا خلاصہ اردو میں پیش کیا جاتا۔ عام طور پر اردو میں یا پھر عربی میں ترجمے کا کام جناب رابع صاحب، جناب سلیمان حسنی صاحب یا ندوۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی دوسرے استاد کے ذمہ ہوتا۔ یہ پیغامات مندرجہ ذیل حضرات سے موصول ہوئے۔

۱۔ احمد بن عبد العزیز المبارک۔ چیف جسٹس ابو ظبی۔

۲۔ ڈاکٹر عبد السلام ہراس، فیکلٹی آف عربی۔ جامعہ فاس۔ مراکش۔

۳۔ ڈاکٹر معروف الدوالبی۔ سابق وزیر اور حال شاہی مشاور سعودی حکومت۔

پیغامات کا سلسلہ ختم ہوا تو شبلی اکیڈمی کے موجودہ ڈائرکٹر اور اس سیمینار کے کرتا دھرتا جناب صباح الدین عبد الرحمن صاحب ملکی و غیر ملکی سکالر حضرات کے استقبال و ترحیب کے لئے سٹیج پر تشریف لائے۔ ان کا خطبہ اگرچہ مختصر تھا مگر وہ سیمینار کے مقاصد اور لائحہ عمل کا ایک عمدہ نمونہ تھا۔ انہوں نے پہلے تو مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پھر بتایا کہ جن مقاصد کے تحت دار المصنفین کا قیام عمل میں آیا ان میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دین اسلام، سیرت نبوی اور اسلامی فنون سے متعلق جو تحقیقات ہوتی رہتی ہیں ان کا جائزہ لیا جاتا رہے۔ پھر سید صباح الدین صاحب نے مستشرقین کی تین اقسام گنوائیں جو علامہ شبلی اپنی تحریرات میں بتا چکے ہیں۔ ان کے مطابق

۱۔ پہلی قسم جاہل مستشرقین ہیں جو اصل ماخذوں سے واقف نہیں۔ ان لوگوں کا سرمایہ معلومات اردو کی تصنیفات اور تراجم ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ مشتبہ اور نامکمل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔

۲۔ پہلی قسم سے ذرا کم خطرناک وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان، علم و ادب، تاریخ و فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔ وہ سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھتے۔ لیکن ضمنی طور پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارح اسلام کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔

۳۔ ان سب سے کم تکلیف دہ مستشرقین کی وہ جماعت ہے جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ مگر ان سے بھی بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

اس کے بعد سید صاحب نے بتایا کہ یورپی مصنفین کی غلط کاریوں کی وجہ ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کے سبب ہم ان کو معذور سمجھ سکتے ہیں۔ ان میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کا تمام تر سرمایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق اور تاریخ طبری وغیرہ ہیں جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کتب میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے اعتبار سے بلند رتبہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بہ روایات صحیحہ منقول ہیں۔ یورپین مصنفین اس سرمائے سے زیادہ تر بے خبر ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصول تنقیح شہادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ میں اس بات کو بالکل نہیں دیکھا گیا۔ کہ راوی صادق ہے۔ کاذب ایک چھوٹے سے چھوٹا راوی ایک بیان کرتا ہے۔ جو گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا تو ایسے واقعات کی یورپ کے مذاق کے مطابق صحت تسلیم کر لی جائے گی۔

علامہ شبلی کا یہ تجزیہ پیش کرنے کے بعد شبلی نعمانی کے شاگرد اور جانشین مولانا سید سلیمان ندوی کے یہ فرمودات پیش کئے کہ "یورپ کے اہل علم نے جہاں علوم جدیدہ کا سرمایہ فراہم کیا اور اپنے لٹریچر کو نئے نئے اسلوب میں شائع کیا، وہاں علوم اسلامیہ کی اہمیت نے بھی ان کے علمی شغف کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور مستشرقین کے نام سے ایک مستقل گروہ نے عربی علوم وآداب کی حفاظت و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ ان کی یہ قابل قدر سرگرمیاں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ علوم ان کے نہ تھے۔ اس لئے وہ ہمدردی و محبت جو مسلمانوں کو اپنی چیزوں سے ہو سکتی ہے ان کو نہیں ہے۔ اس لئے ان کی تحقیق و تدقیق سے جہاں فائدہ ہو رہا ہے سخت نقصان بھی پہنچ رہا ہے۔ جس کی تلافی آج مسلمان اہل علم کا فرض ہے"۔

بانی دار المصنفین اور اس کے شاگرد کے بیانات کے بعد دار المصنفین کے موجودہ ڈائریکٹر نے فرمایا کہ ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور آج کا یہ علمی مذاکرہ بھی اس سلسلہ کی ایک زریں کڑی ہے۔

آخر میں سید صباح الدین صاحب نے مہمانان گرامی کا خیر مقدم کرتے ہوئے صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس دور افتادہ قصبہ میں آنے کی زحمتیں گوارہ کیں۔

اس خطبہ استقبالیہ کے بعد سید ابوالحسن ندوی نے اپنے دلپذیر اور چھے تلے کلمات ترحیب سے مہمانان گرامی کو نوازا۔ چونکہ مولانا علی میاں کا خطبہ طویل ہونا تھا اس لئے مولانا کے پہلے سے لکھے ہوئے خطبہ کا خلاصہ جناب مولوی سلمان حسنی ندوی نے نہایت ہی خوبصورت، بلیغ اور سلیق عربی میں پیش کیا جس کے بعد مولانا نے اپنے خطبہ کے چیدہ چیدہ نکات پیش کئے۔ درحقیقت یہ خطبہ اس سیمینار کا ایک کلیدی خطبہ تھا جس میں اس اجتماع کے اغراض ومقاصد اس ضمن میں کارگذاریاں اور آئندہ کے لائحہ عمل پر سیر حاصل گفتگو تھی۔ جناب سید ابوالحسن علی ندوی نے خطبہ کو علامہ اقبال کی اس رباعی سے شروع کیا

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت سخن نازک تر از برگ سمن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست کہ خسارے دید و احوال چمن گفت

فرمایا کہ مولانا شبلی نعمانی نے کس کس مپرسی میں اس دور افتادہ جگہ پر اپنے مشن کا آغاز کیا تھا اور اب اس کی کیا صورت بن آئی ہے۔ اس خطبہ میں علی میاں نے نہایت اختصار کے ساتھ شبلی اکیڈیمی کی ابتدا، اس دور قحط الرجال اور معاشی بدحالی کے عہد میں اکیڈیمی کی کارگذاریوں اور اس کے موجودہ بے لوث و بے غرض کارکنوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ستائش کے بعد مستشرقین کے کام کی اہمیت اور ان کی محنت و جانفشانیوں کا بہت اچھے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے قرآن مجید، سیرت، تاریخ، تمدن اسلام اور اسلامی معاشرہ کی تاریخ اور اس کے بعد اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا مطالعہ ایک خاص مقصد کے تحت کیا اور مطالعہ میں ان کی دوربین نگاہیں وہ تلاش کرتی رہیں جن کو جمع کر کے قرآن، شریعت اسلامی، سیرت نبوی، قانون اسلامی اور اسلامی حکومتوں کی ایک ایسی تصویر پیش کر سکیں جسے دیکھ کر لوگ آنکھوں پر پٹی یا ندھ لیں۔

آپ نے کئی نکات پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ مستشرقین نے عربوں کے بارے میں اس امر کا انتہائی شدت سے ڈھنڈورا پیٹا کہ عربوں میں صرف دو چیزیں ہیں ایک حرم سرا جس میں بے شمار عورتیں اور دوسرا اونٹ جو عرب میں عام مستعمل ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حشر نشر میں نئی نسلیں مستشرقین کی گریبانیں پکڑ کر پوچھیں گی کہ انہیں اسلام سے بے بہرہ کیوں رکھا گیا۔ پھر فرمایا کہ مسلمانوں کے اہل علم حضرات کا یہ فرض عین ہے کہ وہ اپنی نسل کو مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں سے آگاہ کرتے مگر انہوں نے اس سے غفلت برتی ہے۔ وہ بھی اسی قدر مجرم ہیں جس قدر مستشرقین۔ اب تک چاہیئے تھا کہ یورپی زبانوں میں ٹھوس اور وقیع اسلامی ادب پیش کیا جاتا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ایسا نہیں کیا جا سکا۔ اس ضمن میں کسی اسلامی ملک میں کام نہیں ہوا۔ ترکی، مصر، ایران، بلکہ کئی دوسرے اسلامی ممالک بھی اس غفلت کا شکار رہے۔ ہم مفتخراً نہیں بلکہ حقیقتاً یہ کہنے پر مجبور ہیں کمیت اور اہمیت دونوں اعتبار سے ہندوستان کے مسلمانوں نے مستشرقین کی رو میں ایک اچھا خاصا ادب پیدا کیا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی۔ سید امیر علی، پکتھال اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تحریرات ایک منہ بولتا نمونہ ہیں۔ ہاں علامہ اقبال کے خطبات نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مگر ؎

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں — ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

پھر فرمایا کہ شبلی اکیڈمی نے یہ سیمینار منعقد کر کے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ شبلی نعمانی نے یہ کام شروع کر کے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

مولانا کے کلیدی نکات کے بعد بھارت اور اس کے علاوہ دیگر ممالک سے آنے والے مہمانان گرامی کے اسماء سے حاضرین کو متعارف کرنے کا کام جناب مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی ایڈیٹر البعث الاسلامی و استاد ادب عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء نے سرانجام دیا۔

اندرون ملک سے یونیورسٹیوں کے اسلامی و مشرقی علوم کے شعبہ جات سے متعلق اساتذہ جن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر سید حامد صاحب اور سابق وائس چانسلر پروفیسر خلیق نظامی صاحب قابل ذکر ہیں۔ عربی و اسلامی اداروں اور جامعات کے اہل علم و فکر بھی شریک ہوئے جن میں خاص طور پر حکیم عبدالحمید

Adarts

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی عتیق الرحمن عثمانی، مولانا سعید اکبر آبادی، قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا ابو اللیث ندوی، مولانا معین اللہ ندوی ا
ندوہ کے متعدد اساتذہ شامل ہیں۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس پورے سیمینار میں ندوہ کے اساتذہ۔
طلبا اور دیگر حضرات کی شمولیت سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سبھی کچھ ندوہ ہی کی بدولت ہو رہا ہے۔ ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

والا منظر تھا۔

ان حضرات کے علاوہ بیرونی ممالک کے جامعات سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ ام القریٰ مکہ مکرمہ۔ ابوظہبی یونیورسٹی و جامعہ قطر کے شعبہ ہائے اسلامیات کے پروفیسروں نے شرکت کی۔ پاکستان کے جن مندوبین کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ان کے علاوہ ہمدرد فاؤنڈیشن سے جناب حکیم محمد سعید، حکیم نعیم الدین زبیری۔ اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور سے شیخ نذیر حسین نے شرکت کی۔ ان شرکا میں جنوبی افریقہ سے ڈربن یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی جو سید سلیمان ندوی کے فرزند ارجمند ہیں پورے سیمینار میں کافی ممتاز نظر آرہے تھے جاپان کی انجمن اسلامیات کے نمائندہ جناب عبدالکریم صاحب بھی موجود تھے۔ مکہ مکرمہ سے ڈاکٹر عبدالصبور مرزوق اور قطر سے علامہ یوسف القرضاوی نے تو اپنی شیریں زبانی سے اجلاس میں جان ڈال دی تھی۔

مہمانوں کے تعارف کے بعد مندرجہ ذیل حضرات کو اس سیمینار کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرنے کی زحمت دی گئی۔

۱۔ محمد محمود طنطاوی صدر شعبہ شریعت و حقوق (جامعہ ابوظہبی)
۲۔ جناب حکیم محمد سعید (پاکستان) ۳۔ سید عبدالقدوس ہاشمی (پاکستان)
۴۔ مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل (پاکستان) ۵۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی (ڈربن)
۶۔ جناب ابراہیم قریشی (نمائندہ جمعیۃ الاسلام بنکاک تھائی لینڈ)
۷۔ سید حامد (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)
۸۔ جناب خلیق نظامی (علی گڑھ)
۹۔ جناب شوکت سلطان (سابق پرنسپل شبلی کالج اعظم گڑھ)
۱۰۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (پروفیسر پٹرولیم یونیورسٹی ظہران)

ان حضرات کے تاثرات طوالت کے خوف سے یہاں نہیں دئے جا رہے ہاں البتہ اس ضمن میں ایک عجیب و غریب بات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com